# ہماری اقتصادی پستی کا اثر ہماری عزاداری پر

فخرِ قوم خان بہادر مولوی سید کلب عباس صاحب

تمام مراسم مذہبی کی شان وشکوہ کا انحصار دو چیزوں پر ہے ایک اس فرقہ کی اقتصادی حالت پر دوسرے اس کے خلوص نیت پر۔ ہماری عزاداری میں بھی یہی دونوں عناصر کارفرما تھے اور ہیں۔ آخرالذکر یعنی خلوص نیت کی تو بحمداللہ اب تک کوئی کمی نہیں ہے۔ ہر شیعہ کے دل میں تربت امام مظلوم بنی ہوئی ہے اور جب تک یہ خلوص باقی ہے عزائے حسینؑ مظلوم باقی رہے گی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تمام مراسم روپیہ کے محتاج ہیں۔ جتنے مادی اور خارجی عمل ہیں مجالس عزا، جلوس ہائے ماتم، امام باڑوں کی اور حسینیوں کی آبادی ان کا زیب وزین اور تبرک کی تقسیم ان سب کے لئے روپیہ درکار ہے۔ چنانچہ جب ہمارے فرقہ کی مالی حالت اچھی تھی ان سب میں بڑا اہتمام ہوتا تھا اور یہ سب انتہائی شان کے ساتھ انجام پاتے تھے۔ یہ کہنا بیجا ہوگا کہ بعض دیندار اہتمام کرتے تھے۔ ان کے تعمیر کردہ امام باڑے اور ان کا سازوسامان، علم پٹکے، فرش فروش، جھاڑ فانوس، شیشہ آلات سب اس کے شاہد ہیں۔ لکھوکھا روپیہ کی مطلا ومرصع، گنگا جمنی، روپہلی سنہری ضریحیں، سونے چاندی کے علم، زربفت اور زردوز پٹکے، ہزار کنول والے جھاڑ، چاندی اور سونے کے کٹاؤ کے کام کی قندیلیں، طغرہ دار نشان اور علم، ماہی مراتب کیا کیا سامان ہمارے اماماباڑوں میں نہیں ہوتا تھا۔ جہاں تک تعزیوں کا تعلق ہے بعض منفرد روزگار صنعتی نمونے اس صنف میں پائے گئے ہیں۔ چنانچہ ملتان کا شاگرد والا چوبی تعزیہ جس میں تین منزلیں اور ۱۲، برج تھے اور ہر برج ہر امام کے روضہ مبارک کی نقل تھی اور جس میں کٹاؤ کا اور نقش ونگار کا کشمیری کام اس قدر باریک کیا گیا تھا کہ دو سال تک متعدد ماہرین نے جب مسلسل کام کیا تو دو منزلیں تیار ہوئیں۔ ہندوستانی صنعت کا ایک نادرالمثال نمونہ تھا۔ ۱۹۴۲ء میں جب یہ تعزیہ اہل شقاوت نے شہید کردیا اور اس سلسلہ میں ہمارا ایک وفد بسرکردگی مہاراجکمار محمد امیر حیدر خان آف محمودآباد (جو اس وقت صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس تھے) ملتان گیا تو مسٹر میڈے کمشنر ملتان نے ہمارے وفد سے کہا کہ مجھے ان لوگوں کی اس بدمذاقی پر تعجب اور افسوس ہے کہ ایسی چیز جو ہمارے ملک کی صنعت وحرفت کے لئے مایۂ افتخار تھی ان لوگوں نے اپنی عصبیت سے ختم کردی ان کو ملکی نقصان کا بھی کچھ خیال نہ ہوا۔'' بعض امام باڑوں کے کتبے بھی گردش قلم کے شاہکار نمونے فن خطاطی کے ہیں۔ اسی طرح بعض امام باڑے مثلاً امام باڑہ آصفی لکھنؤ فن تعمیر کے حیرت انگیز کرشمے ہیں۔

لیکن یہ سب تزک واحتشام، شان وشکوہ، عروج وارتقا عزاداری کو کیوں حاصل ہوا اس لئے کہ اہل دول کی عقیدتمندی نے ان کو سرکار حسینی میں ایسے ہدیے پیش کرنے پر آمادہ کیا اور ان کے ہاتھ اتنے کشادہ تھے کہ وہ جی کھول کر لکھوکھا روپیہ ان کاموں پر صرف کرسکے۔ حسینیت کے عالمگیر اثر نے صرف مسلمان بادشاہوں تک اس عقیدت کو محدود نہیں رکھا بلکہ غیر مسلم فرمارواؤں نے بھی اپنی نذریں بقدر ظرف پیش کیں۔ چنانچہ ریاست گوالیار کا عزاخانہ وہاں کی عزاداری اور عزاداری کے لئے دولاکھ کا بجٹ اور لنگر کی تقسیم آج تک مشہور روزگار ہیں۔ اندرر اور جے پور کی عزاداری اور جلوس عزا بھی وہاں کی تاریخ عزاداری کو چمکا دیتے ہیں۔ ہمارے لکھنؤ کی عزاداری شاہان اودھ کے جود وکرم اور ارادت کیشی کا زریں ورق ہے۔ حسین آباد مبارک، آصفی امامباڑہ، شاہ نجف، امجد علی شاہ مرحوم کا حسینیہ تو شاہی امام باڑے ہیں۔ اُمراء اور رؤسا کے بنا کردہ عالی شان امامباڑے بھی یہاں اس کثرت سے موجود تھے اور ہیں کہ ان کا ذکر ایک کتاب چاہتا ہے۔ لیکن ان میں سے کیا سب باقی ہیں اور کیا ان کی وہ تمام پُر زینت مجالس اور گراں سنج تقسیم اور پُرشکوہ جلوس باقی ہیں جو پہلے نکلا کرتے تھے۔ نہیں بیسوں امام باڑے نیلام ہوکر نجی رہائش گاہ بن گئے۔ سیکڑوں ویران اور اجاڑ ہوگئے۔ ہزاروں بے مرمت اور غیر مسقّف پڑے ہوئے ہیں اور لاکھوں عزاخانے (خدا جھوٹ نہ بلائے) جو نجی گھروں میں تھے اب مفقود وبے نشان ہیں۔ میرے دیکھتے دیکھتے جو تغیرات لکھنؤ میں ہوئے عبرت انگیز اور سبق آموز ہیں۔ نواب مہدی حسین صاحب ماہرؔ مرحوم کا امامباڑہ اور اس کی عالی شان مجالس ختم ہوگئیں یہ چھوٹی شہزادی کا مشہور جلوس برائے بیت رہ گیا۔ اکرام اللہ خاں کا امامباڑہ جس میں اُٹھنّی کی تقسیم ہوا کرتی تھی گر گیا اور مجالس ختم ہوگئیں۔ دل آرام کی بارہ دری کی ۲۵ /رجب کی تحت اللفظ خوانی کے نئے مرثیہ کی مجلس جس میں صوبہ بھر کے لوگ آتے تھے بند ہوگئی۔ گولہ گنج کی بیگم کا جلوس جس میں سینکڑوں اونٹ اور ہاتھی ہوتے تھے اب نہیں نکلتا۔ مجھے تو یاد ہے کہ یکم محرم سے ۸ /ربیع الاول تک شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا تھا کہ کوئی نہ کوئی جلوس نہ نکلتا ہو اور کوئی نہ کوئی یادگار مجلس نہ ہوتی ہو لیکن اب اقتصادی پستی نے رنگ محفل دگرگوں کردیا۔ نہ وہ پرتکلف حصوں کی تقسیم ہے نہ نقدی تقسیم کی مجالس نہ وہ دبدبے والے جلوس نہ وہ مشہور روزگار مجالس۔ یہ سب کیوں ہوا۔ صرف اس لئے کہ لکھنؤ میں ہماری اقتصادی حالت اتنی خراب ہوگئی کہ اس نے ہماری عزاداری میں بیّن انحطاط پیدا کردیا۔ امامباڑوں کا سامان نخاس میں فروخت ہوگیا۔ علم اور ضریح اور پٹکے بازار میں آنے لگے۔ صاحبان کرم دست نگر ہوگئے۔ سچ ہے۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

شہری آبادی میں انقلابات زیادہ اور جلد جلد رونما ہوتے ہیں اس لئے خیال ہوسکتا ہے کہ شہری انقلاب سے

دیہاتی رقبوں کی حالت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ دیہات میں انقلابی اور اقتصادی اثرات اتنا زیادہ رونما نہیں ہیں مگر خاتمۂ زمینداری کے بعد تو میرے خیال میں شہری رقبہ سے زیادہ دیہاتی رقبوں میں اقتصادی پستی نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے فرقہ کے زیادہ تر افراد اہل قلم تھے جو ملازمت سے گذر بسر کرتے تھے۔ ہمارے یہاں اہل حرفت بہت کم تھے۔ اہل قلم کے علاوہ دوسرا طبقہ ہمارے یہاں زمینداروں کا تھا اور سوائے اودھ اور حیدرآباد کے یہ طبقہ چھوٹے زمینداروں پر مشتمل تھا جن کے یہاں صرف بقدر ضرورت کاشت ہوتی تھی اور کل آراضی کاشتکاروں کے ساتھ تردد شدہ تھی۔ خاتمہ زمینداری کے بعد نہ صرف ان کی زمینداری ختم ہوئی بلکہ جملہ آراضی جو آسامیوں کے قبضے میں تھی ان کے قبضے سے نکل گئی اور اب ان کی مثال ایک درخت بے برگ وثمر کی ہے۔ سوائے اتر پردیش کے چند اضلاع مغربی کے مثلاً بلند شہر، میرٹھ، مظفرنگر، سہارن پور بقیہ تمام اقطاع ہند میں جہاں خاتمہ زمینداری کا قانون نافذ ہوا شیعوں کی اقتصادی حالت نہایت زبوں ہوگئی۔ اکثر لوگوں نے وقف علی الاولاد کے ساتھ اپنی املاک کا ایک جزو اُمور خیر وخیرات وعزاداری کے لئے وقف کیا تھا۔ گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح وہ بھی پس گیا اور باوجود قانون میں اس جز کے متعلق عطیہ دیئے جانے کے لئے خاص دفعہ کے موجود ہونے کے جو معاوضے کے نقشے بنے ان میں اس جز و خیراتی کو علحدہ نہیں رکھا گیا موقوف علیہم کا اس میں فائدہ ہے کہ بلا استثنا جز و خیراتی کے وہ معاوضہ پائیں اس لئے وہ بھی حکومت کے حکام معاوضہ کے اس تسامح پر خاموش ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ عزاداری کے لئے وقف علی الاولاد کی دستاویزوں میں جو آمدنی واقفان نے مخصوص کردی تھی وہ بھی غائب ہوگئی۔ چھوٹی چھوٹی جو معافیاں امام باڑوں یا کربلاؤں کے لئے عزاداری حسین کے لئے نذر تھیں وہ بھی ہنوز حکام معاوضہ کے رحم وکرم پر ہیں اور اب تک اکثر متولیان کو ان کا عطیہ نہیں ملا۔ مختصر یہ کہ خاتمۂ زمینداری نے انفرادی حیثیت سے بھی اور نوعی حیثیت سے بھی ہماری اقتصادی حالت کو خراب کردیا اور عزاداری کا جو منبع ومخزن تھا اس کا سوتا ہی غائب کردیا۔ جس کا نہایت خراب اثر ہماری دیہات کی عزاداری پر پڑ رہا ہے۔ یہ انحطاط ہر عنوان سے ہر جگہ رونما ہے۔ تبرک کی تقسیم کا معیار گر گیا ہے۔ سامان زینت وآرائش جلوس ہائے عزا میں کم ہوگیا ہے۔ مہندی وغیرہ کے جلوس میں روشنی کم رہ گئی ہے۔ ذاکرین جو بلائے جاتے تھے ان میں ۷۵ فیصدی کمی ہوگئی ہے اور امام باڑوں کی عمارتوں کی صفائی ومرمت میں تو نمایاں غفلت روبکار ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس کا حل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلا حل تو اقتصادی حالت کی درستی ہے مگر یہ تو اپنے بس کی چیز اس معنی میں نہیں کہ کسی جماعت کی اقتصادی حالت کی اصلاح مضامین یا تحریروں سے ممکن نہیں ہوتی بلکہ ان کی معاشرتی اور تمدنی زندگی اور تمام ملک کی اقتصادی حالت اور جماعتی تنظیم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ضرورت، ماحول، وسائل، مواقع، حوصلہ، اُمنگ، جفاکشی یہ سب اقتصادی ترقی کا

باعث ہوتے ہیں۔ ہماری کانفرنس کا شعبہ اقتصادیات اور رہبران ملت اس کے لئے کوشاں ہیں کہ ہماری جماعت کی اقتصادی حالت سنبھل جائے۔ مگر اس کے لئے وقت چاہئے۔ دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ اقتصادی پستی کے دور میں ہم کو جو انحطاط عزاداری میں رونما ہے اس کے روکنے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔

(۱) سب سے پہلے میرے نزدیک انفرادی عزاداری کے بجائے پنچائتی یا مرکزی عزاداری کو ترقی دینا چاہئے۔ اب سے پچاس برس پہلے عزاداری انہیں پنچائتی اور مرکزی اماموں میں ہوا کرتی تھی اور سارے محلہ یا حلقہ کے لوگ اس کی ترقی میں دامے درمے قدمے سخنے شریک رہتے تھے اور اس کو اپنی انفرادی مجالس پر اور جلوس وعزاداری پر ترجیح دیتے تھے، بعض مقامات مثلاً امروہہ میں اب بھی یہ طریقہ بڑی کامیابی سے رائج ہے انفرادی گشت مرکزی گشتوں میں ضم کر دیئے جائیں اور جو پیسہ عزاداری میں لگتا ہے وہی مرکز پر صرف کیا جائے۔

(۲) مرکزی یا پنچائتی مقابر کی مرمت وبقا کے لئے ایک فنڈ مثل ہاؤس ٹیکس کے ہونا چاہئے اور اسی سے اس کی سالانہ مرمت ہونا چاہئے۔ حیثیت کے لحاظ سے آمدنی کا ایک فیصدی اس فنڈ میں ہر ایک کو دنیا چاہئے۔ کربلاؤں کی بقا کا یہ انتظام کرنا چاہئے کہ ان میں درختاں ثمر لگا کر ان کو ذریعہ آمدنی بنایا جائے اور محافظ درختاں ہی کو محافظ کربلا بنایا جائے۔ یہ طریقہ قصبہ دھولڑی رسول پور ضلع میرٹھ میں کامیاب ہو چکا ہے اور کثیر المنفعت ثابت ہوا ہے۔

(۳) ہر ضلع میں متعدد مقامات پر تبلیغی مجالس منعقد کی جاتی ہیں ان کو ایک مرکز پر مختص کر دینا چاہئے تاکہ ان میں مرکزیت پیدا ہو اور متعدد بار شرکا کو بار مصارف برداشت نہ کرنا پڑے اور ان اجتماعات کے موقع پر عزاداری کی ایسی اہم ضرورتوں کے لئے جو اس حلقہ کی ہوں چندہ کر کے اسی فنڈ کے کچھ جز و کو اس پر لگانا چاہئے مثلاً اگر کوئی امام باڑہ گر گیا ہے یا کسی موضع یا قصبہ کی اجتماعی عزاداری کے لئے کوئی سامان نہ رہا ہو تو اس میں سے اس کو امداد دینا چاہئے۔

(۴) جو متعلقات امام باڑہ یا کربلا یا دیگر املاک متعلق عزاخانہ جات ہیں ان کا کوئی منفعت بخش مصرف نکالنا چاہئے۔ مثلاً اگر امام باڑہ کے زیریں حصہ میں دوکانات تعمیر ہو سکتی ہیں تو وہ تعمیر کی جائیں۔ احاطہ میں درخت لگ سکتے ہوں تو درخت لگائے جائیں وغیرہ وغیرہ۔

(۵) بجائے نئے امام باڑے تعمیر کرنے کے یا ان کے متعلق اوقاف قائم کرنے کے پرانے شکستہ امام باڑوں ہی کی مرمت کی جائے اور انھیں کے بقا کے لئے املاک وقف کی جائیں۔

(۶) غیر ضروری مراسم پر جو جز وعزاداری نہیں ہیں بلکہ محض رسماً نام ونمود یا شہرت ووجاہت کے لئے کئے جاتے ہیں ترک کیا جائے اور یہی رقم ترقی عزا میں صرف کی جائے۔

(۷) ایک گروہ حسینی خدمت گزاروں کا قائم کیا جائے جو غیر آباد اور اُجاڑ عزاخانوں کی درستی، آبادی، احیائے عزا اور ترقی کے لئے برابر سعی جاری رکھے۔

❁❁❁